رسائل و مسائل

ٹیلی فون پر دوستی اور ریڈیو پروگرام میں گفتگو

سوال : ایک مسئلے میں بہت پریشان ہوں۔ میری سہیلی ایک لڑکے سے فون پر بات کرتی ہے اور اس لڑکے کا موقف ہے کہ اگر ایک لڑکا اور لڑکی بغیر کسی بے ہودگی کے صرف اور صرف اچھے دوست کی حیثیت سے اسلام' سیاست اور دیگر معاشی موضوعات پر بات کرتے ہیں اور دوستی رکھتے ہیں تو وہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اس کا (لڑکے کا) موقف یہ بھی ہے کہ شادی سے پہلے حضرت خدیجہؓ اور نبی کریمؐ کی بھی آپس میں بات چیت ہوتی تھی۔ چونکہ ہماری دوستی پاکیزہ ہے اس لیے صحیح ہے۔ لڑکی اور لڑکے کے گھر والے اس دوستی سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی البتہ لڑکا میری سہیلی سے شادی کا بھی خواہش مند ہے۔ لیکن وہ رشتہ دینے سے پہلے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہے--- اور اس بات کی کوئی یقین دہانی بھی نہیں ہے کہ وہ شادی کرے گا بھی یا نہیں---؟ اس سلسلے میں آپ میری رہنمائی فرمائیں تاکہ میں اپنی دوست کو صحیح راہ پر ٹھوس دلائل کے ساتھ قائل کر سکوں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آج کل ریڈیو پر ایک سلسلہ فون پر گفتگو کرنے کا ہے جس میں آواز پورے پاکستان میں سنی جاتی ہے۔ اگر پروگرام پیش کرنے والا مرد ہو اور بات کرنے والی خاتون ہو'--- اور اگر پروگرام پیش کرنے والی بھی خاتون ہو تو ایک لڑکی کا یوں فون کر کے بات کرنا یا کسی موضوع پر بحث کرنا کس حد تک مناسب ہے؟ کیا یہ سلسلہ درست ہے؟

جواب : آپ کے سوال کا تعلق اسلام کے معاشرتی اخلاق سے ہے۔ اسلام کے دین کامل اور مکمل نظام حیات ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ نہ صرف عبادات' اور حقوق اللہ بلکہ معاشرتی معاملات میں بھی جامع اور واضح ہدایات فراہم کرے۔ ایک اجنبی مرد اور عورت کے درمیان گفتگو کے حدود و آداب کیا ہوں؟ یہ بھی اسلام کا ایک اہم اور تفصیل طلب موضوع ہے۔

آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً آپ نے جو مفروضہ قائم کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ اگر نیک نیتی اور بغیر کسی شیطانی وسوسے کے "اچھے دوست" کی حیثیت سے ایک مسلمان مرد اور عورت فون پر یا یونی ورسٹی یا کالج میں یا بازار یا کسی مطعم (cafeteria/resturant) میں تیسری عالمی جنگ کے واقع ہونے یا نہ ہونے، انسانی اعضا کی پیوندکاری، اقبال کے تصور خودی، یا ذبیحہ کے حرام و حلال ہونے پر ایک دو گھنٹے تک گفتگو کرتے رہیں، تو جب تک نیت میں فتور نہ آجائے، یہ ایک "معصوم" اور بے ضرر "دوستانہ" سرگرمی ہے۔ ہاں، جس لمحے دونوں میں سے کسی کے دل میں دوسرے کے لیے دل چسپی یا محبت کا جذبہ پیدا ہو، گفتگو حرام، مکروہ اور مردود کے دائرے میں داخل ہو جائے گی، اس لیے فوراً منقطع کر دی جائے۔ اس مفروضے کی دلیل بھی ایک دل چسپ مفروضے پر قائم کی گئی ہے اور یہ تصور کیا گیا ہے کہ عقد نکاح سے قبل جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ خدیجہؓ کے نمایندہ کی حیثیت سے ان کے مال کو تجارتی قافلوں میں لے کر جاتے تھے تو آپؐ سیدہ خدیجہؓ سے لمبی چوڑی گفتگو بھی کرتے تھے۔ سب سے پہلے یہ بات سمجھ لیجیے کہ انبیاے کرام نبوت ملنے سے قبل بھی عادل اور صالح ہوتے ہیں اور اپنے معاملات میں حیا اور اخلاقی حدود کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ اگر کسی مقام پر دو جملوں سے مدعا پورا ہو جائے تو وہاں ایک طول طویل خطبہ نہیں دیتے۔ اسی بنا پر اگر آپ حضور نبی کریمؐ کے خطبات کا مطالعہ کریں تو یہ اہم بات نظر آئے گی کہ وہ انتہائی مختصر، جامع، بلیغ اور موثر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپؐ سیدہ خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر جاتے تھے تو تجارتی مال کے حوالے سے آپؐ نے جو بات بھی فرمائی ہو گی وہ صرف ضرورت کی حد تک ہی ہو گی اور آپؐ کی اسی دیانت اور کفایت سے متاثر ہو کر آپؐ کو نکاح کا پیغام دیا گیا۔

اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے کہ معاملات کی تقسیم ضروریات، حاجات اور تحسینات میں کی جائے۔ چنانچہ جس حد تک گفتگو کرنا ضروری ہو، مثلاً آپ کو سفر میں کسی سے راستہ پوچھنا ہے، ہسپتال یا مسجد یا ڈاک خانے کا پتا دریافت کرنا ہے، ایک دکان دار سے کپڑے کی قیمت معلوم کرنی ہے، ایک ڈاکٹر کو اپنے گلے میں خرابی، بخار اور جسم میں درد کی کیفیت سے آگاہ کرنا ہے، تو ان تمام معاملات کو ہم صرف ایک اصطلاح یعنی "ضرورت" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ضرورت کی حد تک بات کرنے کی اجازت خود قرآن کریم نے واضح طور پر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ (احزاب ۳۳:۵۳) "نبی کی بیویوں سے اگر تمھیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمھارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے"۔

اس آیت مبارکہ نے اہل ایمان کو نہ صرف امہات المومنینؓ سے سوال کرنے یا کوئی چیز مانگنے کے لیے اسلامی طریقہ سکھایا بلکہ قیامت تک کے لیے عام مسلمانوں کے ایک معاشرتی مسئلے کا حل بھی تجویز کر

دیا۔ گویا ضرورت کی حد تک سوال کرنا، کوئی بات دریافت کرنا، کسی چیز کا مانگنا جائز قرار دیا گیا۔ یہی سبب ہے کہ سیدہ عائشہؓ اپنے حجرے میں پردے کے پیچھے سے بیٹھ کر صحابہ کرامؓ کو قرآن، حدیث و فقہ کی تعلیم دیتی تھیں جس کے نتیجے میں مدینہ منورہ کے معروف فقہاے سبعہ آپؓ سے تربیت پاکر مسند علم پر فائز ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل فرض کی تعریف میں آتا ہے کیونکہ قرآن نے حلال و حرام کے علم کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کیا ہے۔

ایک نوجوان لڑکی اور لڑکے یا ایک دفتر میں کام کرنے والے افسر کا کسی دفتر کی خاتون کے ساتھ نوک جھونک کرتے ہوئے چائے کی ایک پیالی پر آدھے گھنٹے تک حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنا، یا ۴۵ منٹ تک فون پر کرکٹ میچ پر تبصرہ کرنا، اسلامی نقطۂ نظر سے "ضرورت" کی تعریف میں نہیں آتا۔ اسی طرح کوئی "بے ہودہ بات" کیے بغیر محض "اچھے دوست" کی حیثیت سے بات کرنا بھی کسی "ضرورت" میں نہیں آتا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اسلام نے عائلی زندگی کے لیے نکاح کو شرط قرار دیا ہے لیکن ایک مرد اور عورت نکاح کے بغیر "اچھے دوست" کی حیثیت سے اور کسی غیر اخلاقی حرکت کا ارتکاب کیے بغیر ایک گھر میں ساتھ رہیں تو کیا یہ عمل اخلاقی حیثیت سے درست اور اسلامی طور پر مباح ہو جائے گا؟ ہاں، ایک طالب علم یا طالبہ کو اگر ایک معلم یا معلمہ سے سیاسی، معاشی اور دیگر درسی علوم پر تبادلہ خیالات کرنا ہے تو وہ اس کی علمی ضرورت ہے، اور صرف اس حد تک جائز ہو گا جتنا ضروری قرار دیا جا سکے۔ برقیاتی خط و کتابت کے اس دور میں کمپیوٹر پر گپ شپ (chat) پر بھی یہ اصول نافذ ہوگا اور بلاضرورت اس قسم کی حرکت جائز نہیں ہو جائے گی۔

اسلام میں دوستی کی بنیاد صرف "معروف" پر ہے "منکر" پر نہیں۔ "معروف" کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اسے خوش کرنے والی ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے رشتوں اور تعلقات کی بنیاد کو خود محترم قرار دیتے ہوئے محرم اور غیر محرم کا تعین فرما دیا ہو اور کھانے پینے اور بات چیت اور سوشلائزیشن کے لیے حدود کا تعین کر دیا ہو، تو اللہ تعالیٰ کو اسی وقت خوش کیا جا سکتا ہے جب اس کی حدود کا پورا خیال رکھا جائے۔

دوسرا مسئلہ جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے یعنی نسوانی آواز کا ستر عورۃ ہونا یا نہ ہونا، اس پر فقہاے امت میں ایک سے زائد آرا پائی جاتی ہیں۔ جس آیت کا اوپر حوالہ دیا گیا وہ خود یہ واضح کر دیتی ہے کہ آواز میں لچک پیدا کیے بغیر کسی بات کا جواب دینا جائز ہے۔ اگر آواز کا بھی پردہ ہوتا تو قرآن کریم اس بات کی اجازت نہ دیتا اور سیدہ عائشہؓ جو بعد کے فقہاے امت سے زیادہ قرآن کے مطالب اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سمجھتی تھیں اور جن کا حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے علاوہ دیگر صحابہ سے

کوئی خونی رشتہ نہ تھا' پردے کے پیچھے سے تعلیم نہ دیتیں۔ سنت مطہرہ نے ہمیں جو اصول دیا ہے وہ بڑا واضح ہے۔ ایسی ہر چیز جس پر آپ کا دل اندر سے آپ کو متوجہ کرے کہ یہ بات مناسب نہیں معلوم ہوتی' تو فوری طور پر قرآن وسنت کی روشنی میں جانچیے۔ اگر قرآن و سنت کے منشا کے مطابق ہو تو مطمئن ہو جایئے' ورنہ اسے ترک کر دیجیے۔ واللہ اعلم بالصواب! (پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد)۔

حجاب میں تدریج

س: میں ایک مقامی سرکاری اسکول میں ٹیچر ہوں۔ ہمارے اداروں کا المیہ جہاں نظام تعلیم کی بڑی خرابی ہے وہاں خواتین کے اداروں میں پردے کا مسئلہ بھی ہے۔ مرد ملازمین بھی اسکول کالجوں میں ہوتے ہیں۔ میں اپنے طور پر پردے کا اہتمام کرتی ہوں۔ ساتر لباس کے ساتھ بڑی چادر استعمال کرتی ہوں اور جہاں کہیں مرد ملازم کا سامنا ہو تو اسی چادر سے چہرے کو ڈھانپ لیتی ہوں۔ میرے ذہن میں اس کے بارے میں کوئی خاص اشکال نہ تھا اس لیے کہ میں تقریباً ڈیڑھ گز چوڑائی میں' بڑے سائز میں' چادر بنواتی ہوں۔ ایک ذمہ دار خاتون نے ایک الجھن میں ڈال دیا۔ وہ خود تو ملازمت نہیں کرتیں کہ "ان اداروں کے اندرونی ماحول سے واقف ہوں" ' تاہم انھوں نے مجھ سے کہا کہ یہ چادر "جلباب" کے زمرے میں نہیں آتی۔ آپ کو اپنے ادارے میں فل سائز چادر کے ساتھ جانا چاہیے' نیز چادر کا رنگ بھی زیادہ نمایاں نہ ہو۔

میں اور میرے ساتھ کی بہنیں بالعموم ایسا ہی کرتی ہیں کہ آج کل میچنگ سوٹ ملتے ہیں یا ریشمی سوٹ کے ساتھ اسی سوٹ کی ہم رنگ لان یا کاٹن لے کر اتنے سائز کی چادر بنا لی جو کولہوں تک آجاتی ہے۔ بوقت ضرورت چہرہ ڈھانپ لیا اور پھر کلاس روم' سٹاف روم یا جہاں ہماری پرائیویسی ہوتی ہے اور مرد ملازم نہیں آتے جاتے وہاں آرام سے اسی چادر کے ساتھ آتے جاتے ہیں' جب کہ بہت بڑے سائز کی چادر سنبھالنا' اس کے ساتھ پڑھانا' تکلیف دہ ہوتا ہے اور رکاوٹ بنتا ہے۔ پھر گرمیوں کے موسم میں تو مزید مشکل یہ ہوتی ہے کہ ایک کمرے میں ۷۰' ۷۵ طالبات کی وجہ سے ہی گھٹن ہوتی ہے وہاں مزید بڑے سائز کی چادر تکلیف کا باعث ہو گی۔

آئیڈیل صورت تو یہی ہے کہ حالات خواہ کچھ بھی ہوں "جلباب" نہ چھوڑا جائے لیکن اس سے ایک اور مسئلہ بن جاتا ہے۔ آج کے دور میں طالبات پردے سے ویسے ہی "الرجک" ہوتی ہیں ایسی مشکل صورت دیکھ کر وہ مزید دور ہو جاتی ہیں۔ میں اپنی طالبات کو ترغیب دیا کرتی ہوں کہ اگر برقعہ نہیں پہن سکتیں تو بڑے سائز کی چادر کے ساتھ اپنا چہرہ اور جسم ڈھانپ لیا کرو۔ ان کی

وہ چادر قمیص تک لمبی ہوتی ہے' ٹخنوں تک نہیں۔ ماحول کو دیکھ کر میں یہ سوچتی ہوں کہ فی الحال بچیاں اس پردے کو اپنائیں' جب آہستہ آہستہ شعور بڑھے گا اور پردہ کرنے کی عادت پڑ جائے گی تو پھر چادر کا سائز بھی بڑا کر لیں گی۔ اب تک جتنی بھی طالبات زیر تعلیم رہی ہیں ان میں سے ۶۰ فی صد سے زائد بچیاں اس طرح پردہ کرنے لگیں۔ اب بھی راہ چلتے دیکھتی ہوں تو باپردہ ہی نظر آتی ہیں۔ اب اس پریشانی میں ہوں کہ "جلباب" میں ان کی نفسیاتی کیفیت کو دیکھ کر جو رعایت میں نے دی تھی' شاید غلط تھی؟ (میں خود اسکول سے باہر برقعہ ہی پہنتی ہوں)۔

ج : "جلباب" کی اصطلاح قرآن کریم میں سورہ احزاب میں آیت ۵۹ میں استعمال ہوئی ہے۔ "اے نبیؐ' اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں (جلابیبھن) کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (۵۹:۳۳)۔

"جلباب" کی وضاحت سید مودودیؒ نے یوں کی ہے "جلباب عربی زبان میں بڑی چادر کو کہتے ہیں" (تلخیص تفہیم القرآن' ص ۶۶۸)۔ اس کا ترجمہ برقعہ تو کسی بھی طرح نہیں کیا جا سکتا' گو برقعہ کا استعمال اسی غرض سے کیا جاتا ہے۔ جو شکل آپ نے اختیار کی ہے' "جلباب" سے بعینہٖ یہی مراد ہے' یعنی ایسی چادر جسے ضرورت کے پیش آنے پر چہرہ چھپانے کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ اس میں کسی رنگ اور کسی قسم کے کپڑے کی کوئی قید نہیں ہے' البتہ لباس کے عمومی اصول اس پر بھی جاری ہوں گے۔ اگر اسلام عام حالات میں یہ چاہتا ہے کہ مرد شوخ اور گہرے رنگ استعمال نہ کریں' جب کہ خواتین کے لیے یہ پابندی نہیں ہے تو ہم کس بنیاد پر یہ پابندی لگا سکتے ہیں کہ جلباب کی چادر ہمیشہ سیاہ یا سفید رنگ کی ہی ہو؟

اگر ایک چادر کا رنگ آپ کے لباس سے مناسبت رکھتا ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ اسی طرح آپ کی حکمت عملی کہ ان بچیوں کو جو حجاب اور ستر عورۃ کی پابندی نہیں کرتیں' پہلے ایسے اسکارف کے استعمال پر آمادہ کیا جائے جس سے ان کا سر اور جسم اور جسم کا اوپر کا حصہ مکمل طور پر ڈھک جائے چاہے چہرہ کھلا رہے' اور پھر انھیں لمبی چادر یا ایسے لباس کے استعمال کی طرف لایا جائے جو تمام جسم کو مناسب طور پر ڈھانک سکے' اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ نبی کریمؐ نے بھی دین کی طرف راغب کرنے کے لیے دین میں آسانی پیدا کرنے اور بتدریج اسلام کی تعلیم دی ہے۔ اسی کا نام دین میں توازن ہے (ا-ا)۔

مال حرام کا مصرف

س: "رسائل و مسائل" کے تحت زیرعنوان "زکوٰۃ سے آئی کیمپ کا انعقاد" (اپریل ۲۰۰۰ء) آپ نے لکھا ہے کہ ناجائز مال کا صدقہ کرنے سے ثواب نہیں ملتا لیکن آدمی گناہ سے بچ جاتا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل سوالوں کی وضاحت فرما دیں:

۱۔ رشوت کے مال سے اگر ایک آدمی مسجد تعمیر کرتا ہے تو کیا وہ گناہ سے بچ جائے گا؟

۲۔ اگر وہ ناجائز مال جہادی تنظیموں کے فنڈ میں جمع کرائے تو کیا گناہ سے بچ جائے گا؟

۳۔ کیا مال دار لوگوں سے رشوت لے کر غریبوں اور فقرا میں تقسیم کرنا جائز ہے؟

۴۔ کیا ایک نیک کام کے لیے ورائٹی شو یا شام موسیقی منعقد کرانا جائز ہے؟

ج: مال حرام کا اصل حکم یہ ہے کہ جس آدمی سے لیا ہو، اسے واپس کرے۔ واپس کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اس کا مصرف فقرا و مساکین ہیں۔ رشوت جس آدمی سے لی ہو، سود جس آدمی سے لیا ہو، جوئے سے جس آدمی کا مال لوٹا ہو، یہ اموال انھیں واپس کرنا چاہییں۔ اگر انھیں واپس کر دیا تو لینے کا گناہ ختم ہو جائے گا۔ اگر انھیں واپس نہ کیا اور معلوم بھی نہ ہو کہ کتنے لوگ اور کہاں کہاں کے لوگ ہیں جن کا مال لوٹا گیا ہے تو ایسی صورت میں اگر مال فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے تو خود استعمال کرنے کا جو گناہ ہے، وہ ختم ہو جائے گا۔ نیت یہ کی جائے کہ یہ مال جن مستحقین کا لوٹا ہے، ان کی طرف سے ہے۔ ایسی صورت میں فقرا و مساکین مستحقین کے نائب کی حیثیت سے اس مال کو وصول کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے مال قبول کر لیا تو توبہ اور مال کو مستحقین کی طرف سے تقسیم کرنے کی وجہ سے رشوت لینے کا گناہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور اگر مستحقین کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے قبول نہ کیا تو پھر گناہ ختم نہ ہوگا لیکن اس میں کمی آجائے گی۔ خود کھاتا تو گناہ زیادہ ہوتا، فقرا کو دے دیا تو گناہ کم ہو گیا۔

رشوت کے مال سے مسجد تعمیر کرنا، جہادی تنظیموں کے فنڈ میں جمع کروانا ناجائز ہے۔ اگر اس نیت سے رشوت لیتا ہے تو دہرا گناہ ہو گا، ایک حرام لینے کا، دوسرا اس سے مسجد تعمیر کرنے کی نیت کرنے اور جہاد میں خرچ کرنے کا۔ غریبوں میں تقسیم کرنے کی نیت سے رشوت لینا ناجائز ہے۔ نیک کام کے لیے حرام طریقوں سے مال حاصل کرنا بھی دہرا گناہ ہے، ایک حرام کمائی کا اور دوسرا نیک کام میں خرچ کرنے کا (مولانا عبدالمالک)۔

اس رسالے میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کی کوئی ذمہ داری ماہنامہ ترجمان القرآن کی انتظامیہ کی نہیں ہے۔ (ادارہ)